بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

قرارداد مقاصد کے پاس ہونے کا فائدہ صرف یہی نہیں ہؤا کہ مسلم قوم اور پاکستانی مملکت کا نصب العین واضح صورت میں متعین ہوگیا اور اس نے ایک پختہ آئینی شکل اختیار کر لی جس کا بدلنا اب ممکن نہیں رہا ہے، بلکہ اس کا دوسرا، اور اس سے بھی زیادہ اہم فائدہ یہ ہؤا کہ مملکتِ پاکستان اصولاً ایک اسلامی مملکت میں تبدیل ہوگئی۔ اس دوسرے فائدے کی اہمیت بھی وہ لوگ ابھی تک پوری طرح نہیں سمجھ سکے ہیں جنہیں آئینی مسائل کا فہم حاصل نہیں ہے، اور اسی بنا پر ان کی سمجھ میں اب تک یہ بھی نہیں آیا ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے اس مملکت کی حیثیت میں اس قرارداد کی بدولت کیا بنیادی فرق واقع ہوگیا ہے۔ لیکن ہم نے چونکہ تمام آئینی و شرعی پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد خوب سوچ سمجھ کر یہ سوال اٹھایا تھا، اس لئے ہم پر اس کے سیاسی اور اخلاقی نتائج ہی نہیں، قانونی اور شرعی نتائج بھی پوری طرح روشن تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قرارداد کے پاس ہوتے ہی جماعت اسلامی نے فوراً اس کا نوٹس لیا اور اپنے دستور، پالیسی اور طریق کار میں اس تغیّر کا اعلان کر دیا جو مملکت کی آئینی حیثیت کے تغیّر سے ٹھیک مطابقت رکھتا تھا۔

یہ معاملہ چونکہ خاص اہمیت رکھتا ہے اور اس نے ہماری تحریک کے راستے کو اصولاً اور عملاً بالکل بدل دیا ہے اس لئے ہم اس کی تھوڑی سی توضیح کریں گے تاکہ سمجھ بوجھ رکھنے والے اصحاب اس کو اور ہماری تحریک کی رفتارِ مابعد کو اچھی طرح جان لیں۔

جس ریاست کا دستور تحریری شکل میں مدوّن نہ ہو اُس کے اسلام و کفر کو متعین کرنے کا سوال تو ذرا پیچیدہ ہوتا ہے، لیکن ایک تحریری دستور رکھنے والی ریاست کا معاملہ بالکل صاف ہؤا کرتا ہے کیونکہ اُس کا دستور خود اس امر کی شہادت دے دیتا ہے کہ وہ ایک مسلم ریاست ہے یا کافر ریاست

اگر کسی ریاست کا دستور صریح طور پر اپنے کفر کی گواہی دے رہا ہو تو اس کے کارپردازوں اور کارفرماؤں میں محض مسلم افراد کی صورتیں دیکھ کر یا ان کی دعوائے اسلام سے بھری ہوئی تقریریں سُن کر اس کے مسلم ریاست ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس ریاست کے ساتھ وہ معاملہ کیا جا سکتا ہے جو شرعاً صرف ایک مسلم ریاست ہی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک شخص اگر خود اپنی زبان سے مسلم ہونے کا انکار اور غیر مسلم ہونے کا اقرار کر رہا ہو تو ہمارے لئے یہ ممکن نہیں رہتا کہ ہم اس کی زبان سے بعض اسلامی خیالات سن کر اور اس کی زندگی میں بعض اسلامی علامات دیکھ کر اسے مسلمان مان لیں اور اسے نماز میں امام بناتا یا کسی مسلمان لڑکی سے اس کا نکاح کرنا قبول کریں۔ اس طرح کے سارے معاملات اس کے ساتھ بہرحال اُس وقت تک نہیں کئے جا سکتے جب تک کہ وہ زبان ہی سے شہادتِ اسلام ادا نہ کرے۔ ٹھیک ایسا ہی معاملہ ایک غیر اسلامی دستور پر مبنی مملکت کا بھی ہے کہ جب تک اس کی آئینی زبان شہادتِ اسلام ادا نہ کرے ہم نہ اس کو اسلامی مملکت کہہ سکتے ہیں اور نہ اس کے ساتھ وہ روابط قائم کر سکتے ہیں جو شرعاً صرف ایک اسلامی مملکت ہی کے ساتھ رکھے جا سکتے ہیں، خواہ اس کی ساری آبادی مسلمان ہو اور اس کے سارے کارفرما و کارپرداز بھی مسلمان ہی ہوں۔

پاکستان بننے سے پہلے متحدہ ہندوستان میں جو مملکت قائم تھی اس کا دستور صریح طور پر ایک کافرانہ دستور تھا۔ اس میں اسلامی ریاست کی کسی خصوصیت کا شائبہ تک موجود نہ تھا۔ اس لئے اس میں ہماری پوزیشن یہ تھی کہ ہم اس کی تمام ملازمتوں کو اصولاً حرام سمجھتے تھے، اس کے قانون کو جائز قانون تسلیم نہ کرتے تھے، اس کی عدالتوں میں جج، وکیل یا مدعی کی حیثیت سے جانے کو شرعاً ممنوع خیال کرتے تھے، اس کی مجالس قانون ساز کی رکنیت اور اس کے انتخابات میں حصہ لینے کو اسلام کے منافی قرار دیتے تھے، اور ہمارا عقیدہ یہ تھا کہ ایسی ریاست میں سانس لینا بھی ایک مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے اِلّا یہ کہ وہ اسے دارالاسلام میں تبدیل کرنے کی جدوجہد کرے، اور اس جدوجہد کی غرض سے

ٹھیرنے کی صورت میں بھی ہم اس ریاست کے نظم ونسق اور اس کے قوانین سے صرف اتنے تعلق کو جائز سمجھتے تھے جتنا موجودہ دور کی ایک مملکت میں جینے اور اقامتِ دین کا کام کرنے کے لئے ناگزیر ہے۔ علاوہ بریں اُس ریاست کو "دارالاسلام" میں تبدیل کرنے کی جدوجہد بھی ہم ان طریقوں سے نہ کرسکتے تھے جو موجودہ زمانے کی اصطلاح میں "آئینی طریقے" کہلاتے ہیں، کیونکہ انتخابات میں حصہ لینا ہمارے نزدیک شرعاً صحیح نہ تھا۔ اس لئے ہم نے "پُرامن، غیر خفیہ، انقلابی دعوت" کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔

اگست ۱۹۴۷ء میں جب سیاسی انقلاب رونما ہوا اور اس کے نتیجہ میں پاکستان کی مملکت بنی تو ایک سخت پیچیدہ صورتِ حال پیش آگئی۔

مملکت زیادہ تر مسلمانوں پر مشتمل تھی جو بالعموم اپنی قومی ریاست کو اسلامی ریاست دیکھنے کے خواہشمند تھے اور یہ چیز اس بات کی متقاضی تھی کہ ہم اس کی تعمیر و تشکیل میں اپنی قوم کی پوری مدد کریں۔ دستورِ مملکت جوں کا توں وہی کافرانہ دستور تھا جو سابق انگریزی حکومت چھوڑ گئی تھی، اور اس کی وجہ سے نہ شرعاً اس نئی مملکت کی حیثیت پچھلی غیر اسلامی مملکت سے مختلف قرار دی جاسکتی تھی اور نہ اس کے ساتھ کوئی مختلف رویّہ اختیار کیا جاسکتا تھا۔

باشندگانِ ملک کے نمائندوں پر مشتمل ایک دستور ساز اسمبلی بنا دی گئی تھی جسے یہ طے کرنا تھا ـــــ اور آئینی طور پر صرف وہی یہ طے کرنے کی مجاز تھی ـــــ کہ ملک کا مستقل دستور کیا ہو۔ مگر اس نے نہ تو سابق دستور میں کوئی اصولی ترمیم کی (حالانکہ جزوی ترمیمات بہت سی کیں اور کرتی رہی)، اور نہ آئندہ ہی کے متعلق یہ ظاہر کیا کہ وہ ملک کا جدید نظام کن اصولوں پر قائم کرنا چاہتی ہے۔

یہی وہ پیچیدگی تھی جسے بالآخر قراردادِ مقاصد نے رفع کیا۔ اصولاً ایک تحریری دستور رکھنے والے ملک میں صرف اس کی دستور ساز اسمبلی یا اسی نوعیت کے اختیارات رکھنے والی کوئی مجلس ہی وہ آئینی زبان ہوسکتی تھی جس سے شہادتِ اسلام ادا ہونے پر اسے اسلامی ریاست قرار دیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ جس تاریخ کو اس نوزائیدہ مملکت کی آئینی زبان سے یہ شہادت ادا ہوئی اسی روز جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ

نے اس کے ایک اسلامی مملکت ہونے کو تسلیم کر لیا اور ٹھیک ۲۴ روز بعد پوری آئینی پوزیشن کا جائزہ لے کر یہ اعلان کیا کہ اب اس ریاست کی شرعی حیثیت سابق غیر مسلم ریاست سے بالکل مختلف ہو چکی ہے۔ اب اس کی ملازمت جائز ہے، اس کے قوانین اپنی عارضی نوعیت میں قابلِ تسلیم ہیں۔ اس کی عدالتوں میں جانا حلال ہے، اور اس کی اسمبلی و پارلیمنٹ کے انتخابات میں ہر حیثیت سے حصہ لیا جا سکتا ہے۔ اس دستوری تغیر کے ساتھ جماعت نے اپنی پالیسی میں بھی یہ تغیر کیا کہ وہ آئندہ اس ملک کے انتخابات میں حصہ لے کر آئینی طریقوں سے اس کو مکمل دارالاسلام بنانے کی کوشش کرے گی۔ یہ ہماری تحریک کی تاریخ میں ایک اہم نقطۂ انقلاب تھا جس نے ہمارے لئے ایک طریق کار کے بجائے دوسرے طریق کار کا دروازہ کھول دیا۔ اب ایک باقاعدہ اسلامی مملکت بن جانے کے بعد یہ دارِ عدو نہیں رہی جس کے خلاف جدوجہد کرنا ہمارا کام ہو، بلکہ دارِ دوست، ہمارا اپنا دار بن گئی جسے بنانا، سنوارنا اور ترقی دینا ہمارا کام ہو گیا۔

اس کے بعد سے جماعت جس لائحہ عمل پر کام کر رہی ہے وہ چار بڑے بڑے مقاصد پر مشتمل ہے۔

اوّل یہ کہ اس مملکت کو ان تمام فکری اور عملی رجحانات سے بچایا جائے جو اسے اسلام کے راستہ سے منحرف کرنے والے ہیں۔

دوم یہ کہ عوام الناس کی ذہنی اور اخلاقی اصلاح کی جائے یہاں تک کہ ہمارا معاشرہ جاہلیت کی بنیادوں سے ہٹ کر اسلام کی صالح بنیادوں پر قائم ہو اور اس قابل بن جائے کہ اس میں برائیاں دبیں اور بھلائیاں نشو ونما پا سکیں۔

سوم یہ کہ ہماری اس نئی مملکت کی تعمیر لازماً انہی بنیادوں پر ہو جو قرارداد مقاصد میں متعین کر دی گئی ہیں اور کسی ایسی تدبیر کو نہ چلنے دیا جائے جو قرارداد مقاصد کو بالائے طاق رکھ کر یہاں ایک غیر اسلامی طرز کا نظامِ حکومت قائم کرنے کے لئے اختیار کی جائے۔

چہارم یہ کہ آئینی ذرائع سے اس مملکت کی موجودہ قیادت کو ایک صالح قیادت سے تبدیل کیا جائے

اور اسے بروئے کار لا کر قوانین، نظم و نسق تعلیم، مالیات، معاشی نظام، فلاح عمومی، دفاع اور خارجی سیاست میں ایسی اصلاحات کی جائیں جن سے پاکستان دنیا میں اسلام کی صحیح نمائندہ ریاست بن جائے۔

ہمارے پروگرام کو اس لحاظ سے تقسیم کرنا تو مشکل ہے کہ ان مقاصد میں سے ہر مقصد کے لئے جو کام ہم کر رہے ہیں اس کو الگ الگ بیان کیا جا سکے۔ کیونکہ یہ سب مقاصد ایک دوسرے کے ساتھ گہرا ربط رکھتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کے لئے کوئی ایسا کام نہیں کیا جا سکتا جو دوسرے مقاصد کی خدمت نہ کرتا ہو۔ تاہم بیان کی کوشش کی جائے گی کہ ان میں سے ہر مقصد کی ذرا سی تشریح کر کے یہ بتایا جائے کہ اس کی خدمت کے لئے ہم کیا کر رہے ہیں اور آگے کرنا چاہتے ہیں۔

گمراہی کی تحریکوں میں سے جماعت صرف بڑی اور بنیادی گمراہیوں کی طرف متوجہ ہے۔ باقی رہیں چھوٹی گمراہیاں تو وہ درحقیقت طفیلی ہیں، اپنے بل بوتے پر قائم نہیں ہیں بلکہ کسی نہ کسی بڑے شجر خبیث کی جڑوں سے غذا حاصل کر رہی ہیں اور اسی کے سہارے جی سکتی ہیں۔ اسی لئے جماعت نے ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی ہے، اگرچہ ان میں سے ہر ایک اس خطرے کو بھانپ رہی ہے جو جماعت کے کامیاب ہونے کی صورت میں اسے لاحق ہو سکتا ہے۔ جماعت اس بات کو خوب سمجھتی ہے کہ یہاں اسلام کی اصل مزاحم دو ہی طاقتیں ہیں:

ایک اشتراکیت، جس کے پاکستانی علمبردار چاہے بہت طاقتور نہ ہوں مگر اس کی پشت پر ایک عالمگیر تحریک اور ایک زبردست لٹریچر اور ایک جہاں کشا فوجی طاقت ہے۔ یہی چیز ہے جو ہمارے لئے درجۂ اول کا خطرہ بناتی ہے۔ اس کے نظریات سے محض کھلے کھلے اشتراکی ہی متاثر نہیں ہیں بلکہ وہ ایک وبائی زہر کی طرح پوری اجتماعی فضا میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔ طلبہ، پروفیسر، ادیب، اخبار نویس، سیاسی پارٹیوں کے لیڈر اور کارکن، فوجی افسر، سول محکموں کے عہدہ دار، غریب عوام، مزدور اور کسان، حتیٰ کہ بہت سے مذہبی لوگ بھی دانستہ یا نادانستہ ان نظریات سے مغلوب، متاثر اور مانوس ہیں۔ ان نیم اشتراکیوں کی نہ تعداد کسی کو معلوم ہے نہ ان کی اقسام ہی کا شمار کیا جا سکتا ہے۔ ان میں ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں

کی بھی ہے جو اشتراکیت اور اشتراکیوں پر تو لعنت بھیجتے ہیں مگر خود اشتراکی دماغ سے سوچتے اور اشتراکی زبان میں کلام کرتے ہیں اور قرآن و حدیث تک سے اشتراکیت نچوڑ لاتے ہیں۔

دوسری مزاحم طاقت مغربی الحاد و فسق اور اباحیت ہے جو ہمارے اس ملک میں ڈیڑھ سو برس کی تاریخ رکھتی ہے، جسے انگریزی تعلیم و تہذیب اور سیاست نے مدت دراز تک دودھ پلا پلا کر پالا ہے، جسے چلتے چلتے انگریز اپنے خلف الصدق کی حیثیت سے مسندِ اقتدار سونپ گیا ہے، اور جسے یہاں مغربی طاقتوں کی پشتیبانی بھی حاصل ہے۔ چاہے سیاسی مقاصد اور معاشی اغراض میں اس کے اور اشتراکیت کے درمیان کتنے ہی اختلافات ہوں مگر دونوں ایک ہی مادر تہذیب کی بیٹیاں ہیں اور الحاد و فسق اور اباحیت میں اشتراکی اور غیر اشتراکی متغربین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسلئے جہاں تک حقیقی اسلام کے نفوذ و قیام کا راستہ روکنے کا تعلق ہے، دونوں اس کام میں متحد ہیں، اور ان کی متحدہ کوشش یہ ہے کہ یہاں اسلام کے نام سے ایک ایسی تہذیب اور ایسے تمدن کو رائج کیا جائے جو اپنی کسی خصوصیت میں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور روس کے تمدن و تہذیب سے مختلف نہ ہو اور جس میں اسلام کی مقرر کی ہوئی حدود میں سے کوئی حد قائم نہ رہنے۔

جماعت اسلامی کا اصل تصادم انہی دو طاقتوں سے ہے۔ علماء کرام خواہ مخواہ بیچ میں آ کھڑے ہوئے ہیں، یا "کو دیا" بنا کر لا کھڑے کئے گئے ہیں۔

کوئی تہذیبی و تمدنی حرکت جمود کی چٹانوں سے نہیں روکی جا سکتی۔ اس کو اگر روک سکتی ہے تو ایک مقابل کی تہذیبی و تمدنی حرکت ہی روک سکتی ہے۔ ہمارے ہاں اب تک سیلابوں کا مقابلہ چٹانیں کرتی رہی ہیں۔ اسی لئے ہمارے ملک سمیت قریب قریب تمام مسلمان ملک مغرب کے فکری و تہذیبی سیلابوں میں غرق ہوتے چلے گئے ہیں۔ اب ہم حرکت کا مقابلہ حرکت سے اور سیلاب کا مقابلہ جوابی سیلاب سے کر رہے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ ساری کھوئی ہوئی زمین واپس لے سکیں گے۔ ہماری تحریک کسی ایک گوشے یا ایک میدان میں ان ضلالتوں کا مقابلہ نہیں کر رہی ہے بلکہ ہر میدان میں ہمارا اور ان کا تصادم ہے۔ ہم نے ان کے تمام نظریات اور عملی طریقوں پر تنقید کی ہے اور ان کی کمزوریاں کھول کھول کر سامنے رکھ دی ہیں، ہم نے ہر مسئلۂ زندگی کا حل ان کے حل کے جواب میں پیش کیا ہے اور

دلائل سے انکو معقول ثابت کر دکھایا ہے، ہم انکے ادب کے مقابلہ میں ایک صالح ادب لائے ہیں، انکے فلسفے کے مقابلہ میں ایک بہتر فلسفہ لائے ہیں، انکی سیاست کے مقابلہ میں ایک زیادہ مضبوط سیاست لائے ہیں، اور ہماری صفوں میں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے صرف قال اللہ وقال الرسول جاننے والے ہی نہیں ہیں بلکہ اس کے ساتھ قال ہیگل وقال مارکس وقال فرائڈ بھی انہی کے برابر جاننے والے ہیں۔ درس گاہوں میں جہاں ان کی افکار اور تہذیب کی اشاعت کرنیوالے موجود ہیں وہیں انہی کی ٹکر کے فکری وتہذیبی مبلغ ہماری طرف سے بھی موجود ہیں۔ حکومت کے ہر شعبے میں اُن کا زہر پھیلانے والے اگر اپنا کام کر رہے ہیں تو ہمارے تریاق کے حاملین بھی بیکار نہیں ہیں ــــ اگرچہ ان کو نکالنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے لیکن اب خدا کے فضل سے ان سب کو چن چن کر نکال پھینکنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے اور انشاء اللہ تجربہ ثابت کر دیگا کہ کسی متحرک نظام فکر وعمل کے متاثرین کو چن چن کر چھانٹ پھینکنا صرف ایک بیوقوف ہی ممکن العمل سمجھ سکتا ہے ـــــ سوسائٹی کے ہر طبقے میں ان کے اثرات کے بالمقابل ہمارے اثرات بھی کم یا زیادہ کارفرما ہیں۔ مزدور اور کسان اور محنت پیشہ عوام جواب تک ان کا اچار بنے ہوئے تھے، بتدریج انکے اثر سے نکل کر ہمارے اثر میں آتے جا رہے ہیں۔ اور ایک طاقتور رائے عام غیر اسلامی افکار و اخلاق و اطوار کے خلاف تیار ہوتی جا رہی ہے۔ ان سب پر مزید یہ کہ انقلاب قیادت کیلئے ہماری تحریک کی زد براہ راست اُس اقتدار پر پڑتی ہے جس کے سہارے یہاں محض فرنگیت ہی نہیں، دوسری تمام چھوٹی بڑی ضلالتیں بھی پرورش پا رہی ہیں۔ پھر اس کشمکش کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اس کے دونوں فریق اپنے اپنے نظریات ہی کی نمائندگی نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس مخصوص کیرکٹر کی بھی نمائندگی کر رہے ہیں جو ان نظریات کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ ایک طرف اگر اشتراکی اپنے اشتراکی اخلاق اور متفرنجین اپنی فرنگی سیرت کے ساتھ میدان میں موجود ہیں تو دوسری طرف جماعت اسلامی بھی خالی خولی تقریریں اور تحریریں اور اجتماعی سرگرمیاں لئے ہوئے سامنے نہیں آگئی ہے بلکہ وہ انفرادی سیرت اور جماعتی اخلاق بھی ساتھ لائی ہے جو اسلام کی اگر مکمل نہیں تو کم از کم صحیح نمائندگی ضرور کرتا ہے۔ اس کے اثرات جہاں جہاں بھی پہنچ رہے ہیں وہاں اسلامی خیالات کے ساتھ اسلامی تہذیب اور اسلامی اطوار کا مظاہرہ پورے فخر کے ساتھ سر اونچا کرتے ہوئے کیا جا رہا ہے، اور وہ کیفیت ختم ہو رہی ہے کہ ماڈرن سوسائٹی میں ایک شخص نماز تک پڑھتے ہوئے شرماتا تھا اور ایک خاتون برقع اوڑھنے پر لاکھ معذرتیں کرکے بھی ڈرتی تھی کہ معلوم نہیں تاریک خیالی کا دھبا اسکے دامن سے مٹا یا نہیں۔

سنہ ۴۹ء اور سنہ ۵۰ء میں ہم نے ان ضلالتوں کے مقابلہ کیلئے اپنے پچھلے لٹریچر میں جن چیزوں کا اضافہ کیا وہ یہ ہیں:-

۱۔ سود حصہ دوم۔ ۲۔ مسئلۂ ملکیت زمین ۳۔ قومی ملکیت ۴۔ پاکستانی عورت دوراہے پر۔